تنقیدی فکر

میں گفتگو یہاں سے شروع کرتا ہوں کہ میں ایک secular اور لادین شخص ہوں، مذہب سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور میں مذہب پر یقین بھی نہیں رکھتا!

کیا آپ اِس بات سے اتفاق کرتے ہیں؟ نہیں

کیوں؟ کیوں کہ کوئی بھی شخص ہو وہ کسی نہ کسی دین کے حکم پر عمل کر رہا ہوتا ہے، اس کا عقیدہ کسی نا کسی دین یا مکتب کے نظریے سے مِل ہی رہا ہوتا ہے—چاہے جزوی طور پر ہی کیوں نہ ہو—چاہے وہ اِس بات کا زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے۔

مثلاً: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ **اللہ تعالیٰ واحد ہے** اور اِس **دعوے** پر جب ہم نے **دلائل** دینا شروع کیے تو ہم نے کہا کہ: اِس متعلق بو علی سینا نے یہ لکھا، فخر الدین رازی نے یہ لکھا، فلاں نے یہ لکھا ہے یا فلاں نے یہ دلیل دی ہے۔ اسی طرح **فقہ** کے میدان میں ہوتا ہے، ہم فتاویٰ کی کتابیں، فقہِ استدلالی کی کتابیں دیکھتے ہیں کہ فلاں نے یہ لکھا ہے، فلاں نے یہ بات ایسے لکھی ہے، فلاں آیت یا حدیث سے دلیل دی ہے یا اِس حدیث کو اُس نے صحیح قرار دیا ہے۔

ہم نے اُن دلائل کو بیان کر دیا اور اپنے طور پر ہم نے یہ سمجھ لیا کہ وحدانیت پر یہ دلائل کافی اور حتمی ہیں! کبھی ہم نے یہ کوشش نہیں کی کہ اِس بات کا پتا لگائیں کہ:

کیا اِن دلائل میں کوئی داخلی تضاد پایا جاتا ہے یا نہیں؟—یا—**اُس دلیل کی کمزوری کیا ہے؟**—یا—**اِس دلیل کو جس نے رَد کیا وہ کس دلیل کی بنیاد پر کیا؟**—اور—**کیا وہ دلیل مضبوط ہے یا کمزور ہے؟**

تنقیدی فکر نہ ہونے کی وجہ سے ہم یہ کبھی نہیں سوچتے یا سمجھنے کی کوشش کرتے کہ:

اِس دلیل میں یا اِن دلائل میں بھی کوئی کمزوری ہو سکتی ہے یا نہیں؟—یا—**یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہ دلیل کیسے واقعی مضبوط ہے جو پھر قابلِ تردید بھی نہیں**—اور—**اگر وہ دلیل مضبوط بھی ہے تو اُس کا counter argument جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔**

تنقیدی فکر اُس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جو میں نے جملہ کہا کہ: "میں لادین ہوں" تو وہ اسی معنیٰ میں کہا کہ **میں لادین اسی لیے ہوں کہ میں نے دین کو دلیل اور شعور سے حاصل کیا ہے تقلید کے طور پر حاصل نہیں کیا**

مثلاً: میں سلفی گھرانے میں، حنفی گھرانے میں، شیعہ گھرانے میں یا کسی دوسرے گھرانے میں پیدا ہو گیا اور میں نے کہا کہ **"جو میرے آباؤ اجداد سے نظریات، عقائد و افکار ملتے چلے آرہے ہیں یا جو مجھے شروع سے بتایا جا رہا ہے وہی حتمی طور پر ٹھیک ہے"**—اور اگر کبھی کسی نے میرے نظریے کے خلاف اگر کسی نے دلیل دی تو میں نے اُس دلیل کو **سمجھنے کی بجائے یہ کوشش کی** کہ میں اُس کو بھی کسی نا کسی طریقے سے رد کروں کہ اِس نے میرے عقائد و افکار کے خلاف کیسے یہ دلیل دی ہے!۔ قطعِ نظر اِس کے کہ ہم یہ دیکھتے کہ:

کیا واقعی ہمارے نظریے میں یا ہماری دلیل میں کمزوری پائی جاتی ہے یا نہیں؟—یا—**ہمارا یہ استدلال کس درجے کا ہے؟**۔

تو میں secular ہوں اِس لحاظ سے کہ جو **ارسطو** کا مشہور قول ہے کہ: **"میں اُدھر جاؤں گا جدھر دلیل مجھے لے جائے گی"**—تو یہ مذہب کے اندر رہتے ہوئے بھی اور مذہب سے باہر رہتے ہوئے بھی، کسی دوسرے مذہب کا پیروکار ہوتے ہوئے بھی اگر انسان اِس بات کو سامنے رکھے کہ

میں اُدھر جاؤں گا جدھر دلیل مجھے لے جائے گی تو پھر یہیں سے **تنقیدی فکر کی ابتداء** ہوتی ہے کہ جہاں آپ کسی بھی بڑے سے بڑے نام کو، کسی مشہور دلیل کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُس کو **خود سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش** کرتے ہیں۔

ایک کتاب "The Future Shock-written by-Alvin Toffler (published in 1970)" ہے، اِس سے ملتی جلتی بات یہ ہے کہ:

کسی housing society میں پانچ پانچ مرلے کے plots بِک رہے تھے تو ایک صاحب نے اُس میں سے ایک پلاٹ خرید لیا، کچھ عرصے بعد جب تعمیر کا خیال آیا تو وہ اُس ہاؤسنگ سوسائٹی میں گئے، جب پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ وہ پلاٹ جو انہوں نے خریدا تھا اُس پر تو پہلے سے کوئی عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔

تو انہوں نے تعمیر کروانے والے آدمی سے کہا کہ: "بھئی یہ پلاٹ تو میرا ہے اور اِس پر آپ نے ایک محل نما اچھی خاصی بلند و بالا عمارت تعمیر کر لی ہے، آپ میری جگہ پر کیوں تعمیر کر رہے ہیں؟"

اُس نے جواب دیا کہ: "اچھا! یہ آپ کا پلاٹ ہے!!۔ میں جب یہاں آیا تو یہاں سب پلاٹس برابر رقبے کے تھے تو میں نے سوچا کہ جب سب پلاٹس کی قیمت بھی ایک جیسی ہے اور رقبہ بھی ایک جیسا ہے تو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر کسی بھی پلاٹ پر تعمیر کر لی جائے لہٰذا میں نے اِس پلاٹ پر تعمیر کر لی ہے اور اب تو یہ تعمیراتی کام آخری مراحل میں ہے"۔

اِس پر اُس آدمی نے کہا کہ: "آپ کو اپنی خریدی ہوئی جگہ کے کاغذات تو دیکھنے چاہیے تھے اور جو آپ کا پلاٹ تھا اسی پر تعمیر کرنی چاہیے تھی، آپ نے بے شک یہ محل نما عمارت تعمیر کر لی ہے مگر مجھے یہ منظور نہیں، یہ میری زمین ہے، میرا پلاٹ ہے لہٰذا آپ یہ غیر قانونی عمارت گرائیں اور دوبارہ سے اپنی جگہ پر تعمیر کروائیں"۔

اب اس شخص کو future میں یہ shock لگا کہ جس جگہ پر اُس نے اتنی محنت سے کمائی ہوئی جمع پونجی لگا دی وہ جگہ تو اُس کی تھی ہی نہیں ہے اور اسے وہ محل نما عمارت گرانی پڑی۔ جتنے پیسے لگے تھے، جتنا خام مال لگا تھا، جتنی محنت ہوئی تھی وہ سب ضائع ہو گئی۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے؟ کہ ہم ساری زندگی میں جو اپنے عقائد و اعمال کی جس عمارت کو تعمیر کر رہے ہیں، جب ہم قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں تو وہاں بتایا جائے کہ نہ تو یہ تمہارا پلاٹ تھا اور نہ یہ جگہ تمہاری تھی جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو لہٰذا تمہاری اِس عقائد و اعمال کی عمارت کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی خدا یہ فرما دے کہ **میں نے تو اِن عقائد و اعمال کا تم سے مطالبہ کیا ہی نہیں تھا جو تم ساری زندگی کرتے رہے، میں نے تو کچھ اور طلب کیا تھا جو تم نے پورا کیا ہی نہیں، تم تو کسی اور ہی عقائد و اعمال کی عمارت تعمیر کرتے رہے** میں تم سے حساب کس کا لوں؟

تو دنیا میں یہ باتیں آپ کی سمجھ میں تب آئیں گی **جب آپ کا فکری زاویہ الا اللہ سے نہیں بلکہ لا الٰہ سے شروع ہو گا**؛ یعنی جو چیزیں ہم نے **پہلے سے تراشی ہوئی ہیں**، جب چیزوں کو ہم **بلا دلیل** اور ایک **روایت کے طور پر**، ایک **مقبول بات** کے طور پر **تسلیم** کرتے ہیں، اُس کے اوپر عقائد و اعمال کی عمارت تعمیر کرتے ہیں، اُس کے لیے **لڑتے** ہیں **جھگڑتے** ہیں، سب کچھ کرتے ہیں۔

مگر جب ہم **تجزیے** کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں، تحقیق کی دنیا میں غوطہ زنی کرتے ہیں اور ایک ایک چیز کو **غیر جانبدار ہو کر** پرکھنا شروع کرتے ہیں تو **ہمیں اپنا future ایک shock میں مبتلا نظر آتا ہے** کہ **ہم نے یہ ساری زندگی کیا کیا؟** جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے تھا ہم وہی سب کرتے رہے۔

یعنی اگر آپ لا سے شروع کریں اور اگر الا اللہ تک پہنچتے ہیں تو یہ بہت بڑی بات ہے۔

زباں سے کہہ بھی دیا: "لا الٰہ" تو کیا حاصل؟ دل و نگاہ مسلماں نہیں، تو کچھ بھی نہیں!

تو یہ ہر مذہب کے لیے ایک حقیقت ہے، ہر مذہب و مکتبِ فکر کے فرد کو یہ سوچنا چاہیے۔

انسانی فکر میں **جمود** اُس وقت آتا ہے جب وہ یہ **سمجھنے** لگتا ہے کہ **دوسرا ہی غلط ہے اور میں ہی صحیح ہوں**، حالاں کہ تنقیدی فکر کی ابتداء ہی یہیں سے ہوتی ہے جب آپ یہ سوچیں کہ میں جو کچھ زندگی میں کیا، میں جس طرح سے سوچتا ہوں، میرا study کا یا thinking کا جو pattern ہے–اُس

سے میں ایک **نتیجے** تک پہنچتا ہوں لیکن میرے **نتیجے** میں **غلطی کا امکان موجود** ہے- اور دوسرے فرد نے جس طرح سے سوچا سمجھا پڑھا تو ہو سکتا ہے کہ اُس کا نقطۂ نظر صحیح ہو- جب یہ فکر لے کر بیٹھتے ہیں کہ I might be wrong and other person might be right تو پھر ہم **نظریات کی بجائے** اِس بات کو دیکھتے ہیں کہ **طرزِ استدلال** کے لحاظ سے، **matter** کے لحاظ سے، **مواد** کے لحاظ سے اور **فکر کی پختگی** کے لحاظ سے کون کہاں کھڑا ہے؟ اور جب ہم اِس **امکان کو مان لیتے** ہیں کہ دوسرا ٹھیک ہو سکتا ہے تو پھر ہم open mind اور open heart سے اُس فرد کی بات کو **سنتے** بھی ہیں، اور اگر صحیح ہو تو اُس کے **استدلال** کو **تسلیم** بھی کرتے ہیں اور اگر اُس کے باوجود بھی ہم **اختلاف** کرتے ہیں تو اُس **اختلاف** میں **violence** کا عنصر نہیں ہوتا، اُس میں کبھی یہ بات **نہیں** آتی کی میں جو بات کر رہا ہوں وہی صحیح ہے اور آپ کو یہی بات ماننی پڑے گی کیونکہ وہ اپنے علم و تجربے سے بات کر رہا ہے اور ہم اپنے علم و تجربے سے بات کر رہے ہیں۔ جہاں **امکانِ خطا کو تسلیم** کیا جاتا ہے وہیں سے **تنقیدی فکر کا آغاز** ہوتا ہے اور جہاں امکانِ خطا کو رد کر دیا جائے کہ ہم تو غلط ہو ہی نہیں سکتے تو وہاں پھر معاملات خراب ہوتے ہیں اور تنقیدی فکر کبھی بھی پروان نہیں چڑھتی۔

ہمارے ہاں جس طرح سیاست میں opposition کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر حکومت کلمہ بھی پڑھ رہی ہے تو اُس کی بھی مخالفت کی جائے کیوں کہ ہم opposition میں ہیں- اسی صورت سے ہم دیکھتے ہیں کہ جو مختلف مذاہب و مکاتبِ فکر ہیں اُن کے درمیان بھی گفتگو میں یہ ایک بات آ جاتی ہے کہ یہ مخالفین تو غلط ہیں ہی کیوں کہ یہ ہماری عقائد و اعمال کی bracket میں شامل نہیں۔

تنقیدی فکر میں جہاں جُزئیات کے اوپر اختلاف کو دیکھا جاتا ہے وہاں اُن **اصولوں کے اختلاف پر بھی گفتگو** کی جاتی ہے جو مختلف لوگوں نے اپنے اپنے نظامِ فکر میں طے کر لیے۔

اب یہاں ایک بات کی وضاحت کی جائے کہ جب **ہم نظامِ فکر کہہ دیتے ہیں** تو یہ خود ایک بہت بڑی jail ہے جس میں فکرِ انسانی **قید** ہو جاتی ہے، فکر **اگر** کسی نظام کے **تحت** آ جائے تو پھر **اُسی نظام کے تحت ہی نتائج کو نکالتی ہے** اور انہی نتائج کے تحت **دوسرے** نتائج کو **رد** کرتی ہے، جب فکری نظام وضع ہو جاتا ہے تو اُس نظام کے تحت سوچنے والے اُن اصولوں کے اوپر نہیں سوچتے جو اُس نظام میں وضع کر لیے گئے ہیں۔

مثلاً: جب بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کے مزار پر جائیں تو اُس کے اطراف میں اوپر جانے کے لیے راستے ہیں، آپ کسی بھی رستے سے جائیں گے مگر پہنچیں گے قبر کے پاس ہی۔

نظامِ فکر ہمیشہ انسان کو ایک لگے بندھے اصولوں کے تحت لے کر چلتا ہے اور وہیں پر لا کر چھوڑتا ہے جہاں دوسرے مختلف ذرائع سے پہنچے ہیں

اس کی **مثال** اگر منطق سے دی جائے تو کہا جائے گا کہ **ارسطو کی منطق**- جس کا ترجمہ بنو عباس کے دور میں ہوا- اور ایک **نظامِ استدلال کے طور پر** مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو اُس کو یہودیوں نے بھی اپنایا، مسیحیوں نے بھی اپنایا اور مسلمانوں نے بھی اپنایا۔ تو اگر کسی نے اصول الفقہ اور منطق پڑھی ہے تو وہ یہ بات بتائے گا کہ **ہمارے اصول الفقہ کی بنیاد منطق ہی ہے**۔ اب یونانی منطق کو رد ہوئے بھی دوڈھائی سو سال گزر گئے اور اُس کے بعد مختلف نظامِ منطق **رائج** ہوئے اور نئے مکاتبِ فکر ابھرے، **اس وقت منطق کی بنیاد پوری کی پوری mathematics کے اوپر ہے**۔ جب Bertrand Russell اور Alfred North Whitehead نے ایک کتاب "The Principia Mathematica" لکھی تو وہ mathematics کی کتاب نہیں تھی بلکہ logic (منطق) کی کتاب تھی، اور آج linguistics میں اور باقی جگہوں پر اُن methods کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ **ہم نے اُس منطق کو نہ ہی پڑھا اور نہ ہی مدارس میں پڑھایا**۔ اِن نئے منطقی مکاتب کی بنیاد کے اوپر **نصوصِ اسلامیہ** کو (جس میں قرآن و سنت شامل ہیں) اُس کو ہم نے **اُن نظامِ فکر کے تحت دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں** کی کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ- **مثلاً:** جو منطق میں کتابیں لکھ دی گئی ہیں جنہیں پڑھایا جاتا رہا ہے- یا مثلاً امامیہ مکاتب میں اصولِ مظفر، منطقِ مظفر، ایساغوجی یا تہذیب المنطق پڑھائی جاتی ہے- یہ سب پڑھتے ہیں کیونکہ **منطق شیعہ سنی نہیں ہوتی منطق منطق ہوتی ہے**- اب اگر یہ بات کریں کہ نظامِ فکر کی بنیاد وہی فلسفۂ یونانی اور منطق یونانی ہے تو تمام مکاتبِ فکر جب میں اصولِ فقہ وضع کیے گئے اور استنباط کیا گیا تو وہ کم و بیش ایک مسئلے میں ایک طریقے سے استنباط کرتے ہوئے ایک جگہ پہنچتے ہیں صرف فرق یہ آ جاتا ہے کہ **مثلاً:** جو **احادیث** کے مسائل ہیں جیسے **مکتبِ**

امامیہ میں predominantly **رسول اللہ اور اہل بیت کے آئمہ** سے منقول روایات ہیں اُن کو اہمیت دی جاتی ہے جب کہ **غیر امامیہ** مکاتب میں **اصحاب** سے منقول روایات کو اہمیت دی جاتی ہے **مگر** اُس میں بھی حدیث کے **ردوقبول** کے سلسلے میں اور اُس حدیث سے **استدلال** کرنے میں **شافعہ** کا طرز علیحدہ ہے، **حنابلہ** کا علیحدہ ہے، **مالکیہ** کا علیحدہ ہے اور **احناف** کا علیحدہ ہے، **لیکن** method **کے لحاظ سے** ایک ہی چیز ہے جو تمام مکاتب میں استعمال ہو رہی ہے۔

ہم نے **جو اصول بنا لیے ہیں ان کے متعلق اپنا زاویہ نگاہ نہیں بدلیں گے**-تو جن مواقف میں ہم یہ **دعوی** کرتے ہیں کہ **شریعت ابھی تک اِس کا جواب دینے سے قاصر ہے اگرچہ شریعت کامل ہے یعنی ہر چیز کا جواب موجود ہے** جب کہ کئی اک مسائل میں ہمیں جواب نہیں ملتا، جب نہیں ملتا تو ہم بیٹھ جاتے ہیں کہ **یہ انسانی فکر کی کمزوری ہے ورنہ شریعت تو مکمل ہے**-تو بھئی آپ اپنا طرزِ فکر تبدیل کر لے دیکھیں، آپ اُس حل تک تب پہنچیں گے جب آپ کا طرزِ فکر تبدیل ہو گا۔

اگر ابھی کوئی سوچے کہ **ہمارا موضوع تو social context میں تنقیدی فکر تھا ہم مذہبی پہلو کی طرف کیوں آگئے ؟** تو اُس کی وجہ یہ ہے: اگر آپ غور کریں کہ آپ کے جتنے بھی معاشرتی مسائل ہیں وہ سب ہماری مذہبی فکر کے جمود سے جنم لیے ہوئے ہیں، **مثلاً**: اگر آج اپنے علاقے کی مسجد میں نماز پڑھنے کی بجائے چند گز کے بعد ایک دوسری مسجد تعمیر کر رہے ہیں تو کہیں ہماری فکر میں غلطی ہے کہ جس نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم وہاں نماز نہ پڑھیں اور اگر ہم دونوں میں نماز نہیں پڑھ رہے ہیں اور ہم نے تیسری مسجد کی بنیاد رکھی ہے تو وہ ہمارا نظریہ ہے ہماری فکر کی کجی ہے جو ہم کو مجبور کر رہی ہے کیونکہ جب ہم social psychology پر بات کرتے ہوئے social analysis کرتے ہیں تو اُس میں **مذہب** ہمیں predominant نظر آتا ہے، سب سے زیادہ driving force **مذہب** مراہم کرتا ہے جو مختلف مقاصد کے لیے استعمال کی بھی جاتی ہے-تو اگر ہم اس میں اپنی تنقیدی فکر کو کام میں لا کر اور اس کو ٹھیک کر لیں تو بے شمار معاشرتی مسائل میں بہتری آسکتی ہے۔

قرآن و حدیث کو زمان، مکاں و حالات کے تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے میں، جدید علوم کو حاصل کرنے میں اور اُس کے مطابق اپنی فکر کو پروان چڑھانے کا نام تنقیدی فکر ہے۔

تنقیدی فکر آپ کو گہرائی میں جانے کو کہتی ہے اور اس کے بعد آپ کے اپنے نظریات سے آپ کو ماورا کرتی ہے، جب آپ دونوں کو سمجھ لیتے ہیں تب آپ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپ کی فکر تشکیل پا گئی ہے۔